عامر سہیل* ڈاکٹر روبینہ شاہین**

مابعد جدید اُردو تنقید اور استعماری بیانیوں کی تفہیم

Abstract: *Postmodern criticism is a new and thought provoking phenomena in Urdu literature, here we can see some new facets of literary criticism. In this article we discuss the basic philosophy of post colonialism with the special concern of its impact on Urdu fiction and poetry. We also high lighted that Postcolonial theory is plying the vital role to understand the strategies and methodology of imperialism. Urdu criticism provide us all the tools and devices which are beneficial for the scientific analysis of imperial culture.*

مابعد جدید اُردو تنقید میں کئی نئے اور چونکا دینے والے رجحانات سامنے آئے ہیں جن کی وجہ سے جہاں تخلیقی متون کی تفہیم و تعبیر میں وسعت پیدا ہوئی وہاں تنقید کا ڈسپلن بذاتِ خود بھی توجہ کا مرکز بن گیا ہے۔ مابعد جدید اُردو تنقید میں گزشتہ کچھ برسوں سے جن نئے ثقافتی اور لسانی مطالعات کا چلن عام ہوا اُن میں ادبی تھیوری کے حوالے سے ساختیات، پسِ ساختیات، جدیدیت، مابعد جدیدیت، تانیثیت، نو تاریخیت، ماحولیاتی تنقید، نو آبادیات، مابعد نو آبادیات اور استعماریت کے حوالے سے خاصا نیا اور خیال انگیز کام سامنے آیا ہے جو اس بات کا قوی ثبوت بھی ہے کہ ہمارے نقاد نئے علمی تصورات سے غافل نہیں رہے۔ زیرِ نظر مقالے کا بنیادی سروکار چوں کہ استعماری بیانیوں کی تفہیم کے ساتھ ہے لہٰذا اب ضرورت اس امر کی ہے کہ مابعد نو آبادیات اور استعماریت کے ضمن میں ہماری اُردو تنقید کا جو کردار اب تک سامنے آیا اس کا جائزہ لیا جائے تا کہ یہ دیکھا جا سکے کہ اُردو تنقید کا اپنا بیانیہ کس سَمت میں جادہ پیمائی کر رہا ہے۔ اس خصوص میں بنیادی سوال یہ بھی اُٹھایا جا سکتا ہے کہ آیا مابعد جدید اُردو تنقید اپنی نوعیت میں استعمار مخالف ہے یا موافق؟

بظاہر تو مابعد جدید اُردو تنقید استعماری حکمتِ عملی اور سیاسی ہتھکنڈوں کو منکشف کرتی ہے جس کی وجہ سے ادب کی تفہیم کا ایک نیا تناظر سامنے آتا ہے لیکن استعماریت جیسا کہ ایک کثیر الجہت مقاصد رکھنے والی فکر بھی ہے تو اس کے ذیلی پہلوؤں کو معروضی حوالوں سے دیکھنا پرکھنا بھی لازمی ہو جاتا ہے تا کہ حقیقت کا ممکنہ حد تک ادراک حاصل کیا جا سکے۔ مابعد جدید اُردو تنقید کا یہی وہ مرکزی دھارا ہے جہاں سے نئے تناظرات اور علمی انکشافات کا در وا ہوتا ہے نیز اہم ادبی رجحانات کا وہ زاویہ بھی نظر آنا شروع ہو جاتا ہے جو اس سے پہلے ہماری نظروں سے اوجھل تھا۔

* صدرِ شعبہء اُردو، ایبٹ آباد پبلک سکول اینڈ کالج، ایبٹ آباد

** صدرِ شعبہء اُردو، جامعہ پشاور

نو آبادیات اور استعماریت کا موضوع اُردو ادب میں تخلیقی اور تنقیدی ہر دو سطحوں پر متحرک رہا ہے تاہم ہمارے اُردو نقادوں کا زیادہ تر معاملہ حالی، محمد حسین آزاد اور سر سید کے ساتھ رہا اور اکثر جگہوں پر ان ادیبوں کو کسی نہ کسی حوالے سے استعماری طاقت کے معاونین کے طور پر سامنے لایا گیا جس کا ایک ذیلی فائدہ یہ بھی ہوا کہ استعمار کے طریقِ کار اور ادبی ایجنڈے کی تفہیم میں قدرے آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ البتہ یہاں ایک سوال کی گنجائش نکالی جا سکتی ہے کہ استعماری حکمت عملی کے بارے میں ایک مفصل جانکاری ہمیں اُن حکما کے توسط سے حاصل ہوئی جو ہمارے ہاں قدرے دل چسپی سے پڑھے جانے والے لکھاریوں میں شمار ہوتے ہیں مثلاً فرانز فینن، ایڈورڈ سعید، رنجیت گوہا، گائتری سپی واک، ہومی کے بھابھا، اور عینیہ لومبا وغیرہ۔ ان کی کتابوں نے نو آبادکاروں کی ذہنی ساخت اور اُن کے متنوع ہتھکنڈوں کے بارے میں جامع معلومات فراہم کی ہے۔ اسی موضوع کو مزید نقادوں نے اپنی بصیرت کا حصہ بنایا جن کا تعلق افریکا، یورپ، امریکا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے ساتھ ہے۔ اب سوال کی نوعیت یہ بنتی ہے کہ آیا ہمارے اردو نقادوں نے اپنے انھی پیش رو متخصصین کی بصیرت کو دہرایا ہے یا ان سے ہٹ کر اپنا کوئی الگ بیانیہ مرتب کیا ہے؟ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ اُردو زبان میں نو آبادیاتی اور استعماری حکمت عملیوں کے بارے میں پہلی مستقل دستاویز فکشن اور شعری متون کے تخلیقی سانچوں میں محفوظ ہوئی لیکن اس کی بنیاد پر نظریہ سازی کا عمل بہت بعد میں اُس وقت سامنے آیا جب انگریزی اور دیگر مغربی زبانوں میں یہ موضوع اپنی مضبوط بنیادوں پر اُستوار ہو چکا تھا اور اس کے متعلقات پر بحث مباحثے روز مرہ زندگی کا حصہ بن چکے تھے۔

اردو تنقید میں نو آبادیاتی فکر نئی ہونے کے باوجود جہاں جدید و قدیم ادب کا سیاق مہیا کرتی ہے وہاں اس حقیقت کی وضاحت بھی کرتی ہے کہ ادبی متن میں سیاسی اور سماجی عملیات کس طرح ڈسکورس کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ استعماری عزائم کی نقاب کشائی اور نئی دانش کے پسِ پردہ اسباب و محرکات کی گرہ کشائی بھی جدید تنقید کے اہم سروکار بن چکے ہیں۔ مابعد جدید اُردو تنقید کا نو آبادیاتی ماڈل برِ صغیر پاک و ہند کی صورتِ حال کا عکاس ہے جس میں نو آباد کار کی شاطرانہ اور دور رس حکمتِ عملی کو ادبی متون کے علاوہ تاریخی، عمرانی، سیاسی، نصابی اور سرکاری دستاویزات کی روشنی میں بھی سامنے لایا گیا ہے۔ حاکم و محکوم کے اُن باہمی رشتوں کی تفہیم بھی کرائی گئی جس کی بنیاد میں آویزش کے تمام خون آشام رنگ شامل ہیں۔

اُردو کے نو آبادیاتی نقادوں کی بڑی کامیابی یہ ہے کہ انھوں نے مسلم سلطنت کے زوال میں مضمر اُن تمام عناصر کا کھوج بھی لگایا جس کی وجہ سے مغلیہ دور کا انتشار اور انہدام مع اسباب و علل بہ خوبی سمجھ میں آنے لگتا ہے۔ نو آبادیاتی استعمار کی ایک خاص ذہنیت نفسیاتی عملیت پسندی میں متحرک نظر آتی ہے جس کو کام میں لا کر ہندوستان میں موجود نسل پرستی اور فرقہ واریت کو ہوا دی گئی تاکہ سماجی ٹوٹ پھوٹ کے عمل کو تیز تر کیا جائے۔ برِ صغیر کے مسلمانوں پر بڑا ظلم اُس وقت ہوا جب فارسی کو ایک استعماری حکم نامے کے تحت راتوں رات ختم کر دیا گیا جس کے نتیجے میں مسلمان اپنے درخشاں ماضی سے کٹ گئے اور اُس بڑی علمی روایت سے بھی دور ہو گئے جو اس زبان کے توسط سے حرکی قوت کی حامل تھی۔

فارسی کو بے دخل کرنا اور اُردو کی سرپرستی کرنا استعماریت کا وہ کارگر حربہ تھا جس نے تہذیبی اور ثقافتی سطح پر مسلمانوں کو مفلوج اور منفعل بنادیا اور ان کی مجموعی شناخت معرضِ خطر میں پڑ گئی، یہی وہ مقام ہے جہاں فورٹ ولیم کالج کی عصری معنویت سامنے آتی ہے اور اُردو ادب کے بنیاد گزار غیر محسوس طور پر استعماری ایجنڈے پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ اُردو میں نو آبادیاتی تنقید کے ورود سے قبل فورٹ ولیم کالج اور اس نوعیت کی باقی استعماری سرگرمیوں کو خالص ادبی یا انگریزوں کی ادب دوستی پر محمول کیا جاتا تھا۔ ہندوستان کے اُردو ادیبوں کے لیے یہ بات خوش گوار حیرت کا باعث تھی کہ انگریز اُن کی زبان بول بھی رہے ہیں اور اس کے فروغ میں گہری دل چسپی بھی لیتے ہیں۔ اُس زمانے میں قواعد کی کتابیں لکھنے میں انگریزوں نے پہل دکھائی اور بعد میں تو اُردو غزل گوئی میں اپنا نام لکھوانے لگے۔ حاکم طبقے کی طرف سے اُردو زبان کی ایسی سرپرستی تھی کہ محکومیت کے ماروں کو اس میں بھی فرار کی راہ نظر آنے لگی۔

جب مابعد جدید اُردو تنقید میں ادبی تھیوری کے مباحث شروع ہوئے تو پرانے ادبی تصورات کی شکست وریخت کے ساتھ ساتھ ان میں توسیع کا عمل بھی شروع ہونے لگا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب رہے گا کہ پرانی اُردو تنقید میں اصلاً توسیع کا عمل ہی غالب ہے کیونکہ کسی روایتی یا پرانے تنقیدی اُصول کو منطقی اور فکری حوالے سے کلیتاً رد کرنا محال ہے یہ بات خاطر نشان رہے کہ ہر فکر اپنے اثرات کا آزادانہ دائرہ عمل بھی رکھتی ہے۔ جدید نو آبادیاتی تنقید نے برصغیر میں موجود ادبی متون کو نئے نو آبادیاتی ڈسکورس کی روشنی میں دیکھنے کی روش نکالی جس کی وجہ سے اُردو ادب کے فروغ میں فعال تمام عوامل نئے تناظرات اور نئے سیاق کی تشکیل کرنے لگے۔ نئی نو آبادیاتی اُردو تنقید نے استعماری اندازِ نظر کو اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ بے نقاب کیا ہے۔ اس نئے تنقیدی پیراڈائم نے جہاں اُردو ادب کے حوالے سے نو آبادیاتی اور استعماری استدلالیت کو منکشف کیا وہاں اُردو ادب کی کچھ اہم شخصیات کے بارے میں ایسے امیجز بھی سامنے لائے جس کی وجہ سے ان کے مقام و مرتبے میں فرق آیا ہے میرا اشارہ حالیؔ، آزادؔ اور سرسیدؔ کی طرف ہے۔

معاصر اُردو تنقید کے اُن پہلوؤں کو بھی دیکھنے اور پرکھنے کی اشد ضرورت ہے جس میں استعماری دانش کو بالواسطہ یا بلاواسطہ قاری کے ذہن پر مسلط کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ مابعد نو آبادیاتی اور استعماری مطالعات اور مطالبات ہمیں مغرب سے مرعوبیت کا درس دے رہے ہیں اور باتوں باتوں میں یہ باور کرایا جارہا ہے کہ ہم ایک ایسے استعماری آسیب کا شکار ہو چکے ہیں جس سے بچ نکلنا ناممکنات میں سے ہے۔ کہیں نادانستگی میں ہم بذات خود استعماری ایجنڈے کا حصہ تو نہیں بن رہے؟ یہ کچھ ایسے خدشات ہیں جن کی نوعیت نفسیاتی بھی ہے اور سماجی بھی اور بڑی حد تک عملی بھی۔ ڈاکٹر ریاض ہمدانی نے اپنے ایک فکر انگیز مقالے بعنوان "نو آبادیات اور نو آبادیاتی تمدن (بنیادی مباحث)" میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بتایا ہے:

> "صرف بہترین اذہان کو سامراجی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔"(۱)

محض ایک جملے پر مشتمل یہ فکری جمال پارہ علم و دانش کے کئی نئے جہانوں کی سیر کراتا ہے۔ سامراج کے اوچھے ہتھکنڈوں میں دور مار فکری میزائل سب سے زیادہ مہلک ہتھیار ہے جو ادب اور فلسفے کی پُرنُور وادیوں سے گزر کر ثقافتی محلاتمیں نقب لگانے کی کوشش کرتا ہے۔ اگرچہ اس خاص نکتے کو نو آبادیاتی اور مابعد نو آبادیاتی حوالے سے بہت زیادہ پرکھا گیا جس کے طفیل سرسید اور حالی کو نئے زاویوں سے دیکھنے کے در وا ہوئے۔ اب اسی نکتے کو استعماریت اور سامراجیت کے تناظرات میں دیکھنے کی کوشش ہونی چاہیئے تا کہ ہم اپنے عہد کے سرسید اور حالی کے فراہم کردہ بیانیوں کا تجزیہ کر سکیں میرے خیال میں یہ پہلو بھی استعماری حکمت عملی کی تفہیم میں اہم پیش رفت ثابت ہو گا اور اس امر میں کوئی شبہہ نہیں کہ یہ کام بھی ہمارے جدید اُردو نقادوں کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہونا ہے۔

مابعد نو آبادیاتی اُردو تنقید میں استعماری حکمتِ عملی کو براہِ راست موضوع بنانے کے بجائے اسے مختلف پہلوؤں کے ساتھ ملا کر تجزیانے کا عمل عام ہے اور یہ بات بہت اطمینان بخش ہے کہ ہمارے اُردو نقاد اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ استعماریت اصل میں نو آبادیات کی گمبھیر ترین صورت ہے جس میں سیاسی اور معاشی مفادات کا حصول انسان اور انسانی قدروں سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ نو آبادیات سے نو آبادیاتی بیگانگی تک کا سفر توسیع پسندانہ اقدامات کی کہانی ہے جس میں نو آبادکار تاریخ کے کسی ایک موڑ پر بھی غافل نظر نہیں آتا۔ عہد حاظر میں سامراجی مفادات گلوبل سسٹم کا لازمی جزو بن چکے ہیں، یہ کیفیت بالعموم ایشا اور افریقہ کے اہم مسلم ممالک میں بہت فعال نظر آتی ہے اور حیرت در حیرت کی بات یہ ہے کہ کسی ایک ملک میں بھی ردِ استعماریت کا کوئی عنصر دور دور تک دکھائی نہیں دیتا۔

یہاں ایک نیا سوال یہ اُبھرتا ہے کہ دنیا میں قدیم سامراجیت، یورپی سامراجیت اور نو سامراجیت نے مختلف حیلے بہانوں کی مدد سے مخصوص ممالک کو زیر نگیں رکھنے کی مستقل روایت بنائی جس کا دورانیہ کئی صدیوں پر محیط ہے، کیا متاثرہ ممالک کے حکما کا عمل دخل اتنا ہی رہ گیا ہے کہ وہ محض زخم شماری کا فریضہ انجام دیں اور اُس تاریخی تناظر کے صُغرے کُبرے ملا کر دکھائیں جس نے سیاسی اور تہذیبی یلغار کی مدد سے اُن کی مقامی آبادی کو نو آبادی بنا کر رکھ دیا تھا یا صرف اس بات پر قناعت کر لیں کہ وہ اب اس قابل ہو چکے ہیں کہ ماضی میں ہونے والی زیادتیوں کو سمجھ سکیں اور جدید اصطلاحات کی روشنی میں سب کو یہ بتا سکیں کہ ہمارے ساتھ ماضی میں کیا کیا ہوتا رہا ہے۔ گویا اقبال کے الفاظ میں ان کا مقصد یہی رہ گیا ہے:

دما دم دوش و فردا می شماریم
بہ ہست و بود باشد کار داریم(۲)

(ترجمہ) ہم ہر وقت گذشتہ اور آیندہ کا شمار کرتے رہتے ہیں، ہماری سوچ ماضی، حال اور مستقبل سے وابستہ ہے۔

اگر تنقید نگاری کے ضمن میں منظوم تنقید کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے تو نو آبادیاتی اور استعماری حکمت عملیوں کے کئی نئے نئے پہلو سامنے آسکتے ہیں۔ اکبر اور ن م راشد جیسے شعرا نے سامراجی عزائم کو اپنی منظوم تنقید میں جس طرح موضوع بنایا وہ اس نئے تنقیدی ڈسپلن

کا بلیغ اشاریہ ہے جو اپنی کامل صورت میں اقبالؔ کے ہاں ملتا ہے۔ اقبال نے اُردو فارسی شاعری کے علاوہ نثر میں بھی فرنگ سے جڑی تہذیب وثقافت کو ہدفِ تنقید بنایا جس پر معاصر لکھاریوں نے خوب دل جمعی سے لکھا ہے۔ اقبال نے کہا تھا:

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری(۳)

مغرب میں نو آبادیات اور مابعد نو آبادیات پر نظریہ سازی کا عمل 1950ء اور 1960ء کی دہائی میں مکمل ہو چکا تھا جس کی بنیادوں میں مارکس اور ہیگل کا جدلیاتی فلسفہ سماجی تناظرات میں کسی نہ کسی حوالے سے ضرور موجود رہا ہے جو اس نئی فکر کی پیچیدہ جہتوں کو سامنے لانے میں معاون رہا ہے۔ اُردو میں ترقی پسند تحریک کا تنقیدی دبستان اس سے قبل اپنی ساکھ بنا چکا تھا لیکن ترقی پسند نقادوں نے نو آبادیات کو اپنے باضابطہ مطالعات کا حصہ نہیں بنایا اس کمی کو بہت بعد میں ہمارے جدید نقادوں نے پورا کیا اور ادبی تنقید کو بنیاد بنا کر سامراجی فکریات کو متعارف کرایا۔ ترقی پسند تنقید کی عینیت پسندی اور اور تنقیدی نرگسیت نے سماج اور سماجی فلسفے کے مٹھی بھر افکار کو کُل کائنات مان کر ادب کی ہر شئے کو انھی خود ساختہ اصولوں میں ڈھالنے کی کوشش کی لیکن ان مطالعات میں نو آبادیات کو موضوع نہیں بنایا گیا۔ جدید اُردو تنقید کے علم برداروں نے اس کمی کو پورا کیا اور عالمی سامراجیت (چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو) کے طریق ہائے کار کا تاریخی کردار بے نقاب کیا۔

مابعد جدید اُردو تنقید اپنے سماجی منصب سے مکمل طور پر آگاہ ہے۔ اسی آگاہی نے سامراجی تسلط کی حکمت عملی میں وہ عناصر تلاش کیے جس کے تحت ایک محکوم قوم نسل، مذہب اور زبان ولسان کی بنیادوں پر تقسیم کر دی جاتی ہے، تقسیم کا یہ عمل پہلے سماج کی چھوٹی اکائیوں میں ظاہر ہوتا ہے اور پھیلتے پھیلتے ملکی سرحدوں سے باہر نکل جاتا ہے، پیداواری ذرائع (معدنیات، تیل، گیس، فصلیں) پر سامراج اپنی غیر محسوس چالوں سے قبضہ جمالیتا ہے اور آخر ایک دن وہ اندر سے کھوکھلا ہو کر انارکی کا باعث بن جاتا ہے۔ ماضی میں افغانستان، عراق، لیبیا، ایران اور برما کے ساتھ یہی کچھ ہوا اور نئے ممالک (بالخصوص اسلامی ممالک) اسی چُنگل میں پھنسے ہاتھ پاؤں مارتے نظر آتے ہیں۔ استعمار کے پاس علم اور سیاست کی منہ زور طاقت ہے جس کی بنیاد پر استحصال کا عمل تیز سے تیز تر ہوتا چلا جاتا ہے اور اس طبقاتی دوڑ میں انسانی پیشے انسانی ذاتوں میں ڈھل کر انسانیت کا منہ چڑاتے ہیں۔ اُردو تنقید میں استعماری کارروائیوں کے بارے میں حاصل شدہ معلومات کہیں تو نظری مباحث میں قاری کو راستہ دکھاتی ہے اور کہیں نو آبادیاتی متون پر مابعد نو آبادیاتی تنقید کا اطلاقی پہلو کئی اُلجھی گرہوں کو کھول دیتا ہے۔ استعمار کا کردار بھی وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ تغیر پذیر رہتا ہے، کچھ عرصہ پہلے تک یہ کردار برطانیہ کے پاس تھا جس نے برصغیر میں پائی جانے والی ہر شئے کو بے وقعت بنا دیا اور عام باشندے کے پاس سوائے نقالی کے کوئی اور اختیار باقی نہ چھوڑا۔ ابوالکلام قاسمی نے ٹھیک لکھا ہے:

"برطانوی سامراج نے ہندوستان کے ذہن کو ایسے مغربی رنگ میں رنگنے کا خواب دیکھا تھا کہ ان کی اپنی روایت ان کے لیے بے وقعت اور ناقابلِ تقلید بن جائے"۔(۴)

اب یہی کردار ایک نئے وژن اور نئی حکمت عملی کے ساتھ امریکہ نے سنبھال لیا ہے۔ نیا استعماری ایجنڈا اب کسی ایک ملک پر توجہ مبذول کرنے کے بجائے تمام اسلامی ممالک کے خلاف محاذ آرا ہے۔ دورِ حاضر میں اسلامی ممالک کی تعلیم، مذہب، کلچر اور دیگر سماجی مسائل استعماری حکمت عملی میں کچھ اس انداز سے گھل مل گئے ہیں کہ دوست دشمن کی پہچان محال ہے۔ مابعد نو آبادیاتی اُردو تنقید میں اِن امور کو سامنے تو لایا جا رہا ہے تاہم اپنا بیانیہ مرتب کرنے میں کوئی خاص پیش رفت نظر نہیں آتی۔ اپنا بیانیہ سامنے لانا بہت ضروری ہے کیوں کہ درست سمت میں اگر کوئی فکری پیش رفت کی صورت نکلنی ممکن ہوئی تو اس کی بنیاد اسی بیانیے سے بر آمد ہو گی۔

مقالے کے آخر میں اس بات کا اعتراف بھی بہت لازمی ہے کہ ہمارے اُردو نقادوں کو بعض دیگر مشرقی نقادوں مثلاً ایڈورڈ سعید، ہومی کے بھابھا اور گائتری سپی واک کے مقابلے میں یہ برتری بھی حاصل ہے کہ اول الذکر نقادوں نے انگریزی میں لکھا اور اُن کا اولین مخاطب بھی مغرب ہے اس کے برعکس اُردو نقادوں نے اپنی زُبان میں نو آبادیاتی اور استعماری معاملات کو پیش کیا اور اس کا بڑا مقصد اپنے لوگوں کو اس نئی بصیرت سے روشناس کرانا تھا یہ طریقِ کار زیادہ موثر اور عملی افادیت کا حامل تھا، بیش تر افریقی مفکرین نے بھی نو آبادیاتی اور مابعد نو آبادیاتی مطالعات کو ترجیحاً اپنی زبان میں لکھا۔ اگر معروضی حوالے سے دیکھا جائے تو اپنی مقامی یا قومی زبان میں لکھنا درحقیقت ردِ نو آبادیات کی طرف پہلا قدم بھی ہے جو ہر اعتبار سے لائق تحسین بھی ہے اور لائق تقلید بھی۔

حوالہ جات:

۱۔ ریاض حمدانی، ڈاکٹر، نو آبادیات اور نو آبادیاتی تمدن (بنیادی مباحث)، مشمولہ نو آبادیات و مابعد نو آبادیات (نظریہ، تاریخ، اطلاق)، عکس، لاہور، 2019ء، ص146

۲۔ محمد اقبال، کلیات (فارسی) مشمولہ، گلشن رازِ جدید، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1985ء، ص549

۳۔ محمد اقبال، کلیات (اُردو)، مشمولہ، خضرِ راہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1989ء، ص260

۴۔ ابو الکلام قاسمی، نو آبادیاتی فکر اور اُردو کی ادبی و شعری نظریہ سازی، مشمولہ، مابعد جدیدیت۔۔۔ اطلاقی جہات، مرتبہ ناصر عباس نیر، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، 2007ء، ص

☆☆☆☆☆